# علم الفقہ، مصداق اور دائرہ کار

## (صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود م۔ ۷۴۷ھ کی فکر)

سلطان سکندر *

محمد سعد صدیقی**

ماخذ شریعت اسلامیہ میں بنیادی طور پر کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور قیاس کا ذکر ملتا ہے، حالانکہ کچھ ثانوی ماخذ و مصادر اور بھی ہیں اس کی ایک وجہ تو ان کا مختلف فیہ ہونا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض ماخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر و توجیہ اس طرح کی جاتی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان، استصلاح وغیرہ داخل ہیں اور اجماع میں تعامل اور رسم و رواج داخل ہیں۔ ما قبل کی شریعت قرآن یا حدیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قوانین تعامل میں بھی شمار ہو سکتے ہیں۔ لیکن اصل ماخذ صرف قرآن ہے سنت بھی اس کی شرح اور عملی زندگی میں اسی کی شکل ہے۔

### شریعت کا معنی مفہوم اور ماخذ شریعت:

فقہ اور علم اصول فقہ کو شریعت میں کیا مقام حاصل ہے۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے پہلے شریعت کے دائرہ کار کو سمجھنا ضروری ہے دین کے اصولوں پر عمل درآمد کا جو راستہ اللہ اور اس کے آخری رسول نے بتلایا وہ شریعت کہلاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے ''الشریعہ اور الشرعۃ'' سے مراد پانی کے کسی ذخیرہ سے براہ راست چلو بھر کر یا کسی اور ذریعے سے پانی حاصل کرنا ہے۔ شریعت سے مراد کشادہ، سیدھا، واضح اور صاف راستہ ہے جو کسی بستی کے لوگوں کو پانی کے ایسے ذخیرے تک پہنچادے جہاں سے ہر شخص باآسانی پانی پی سکے۔(۱)

اصطلاحی لحاظ سے اس سے مراد زندگی گزارنے کا وہ راستہ ہے جو رسول اکرم ﷺ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

فالشرع والشريعة أ والشرعة: هو مانزل به الوحى على رسول الله ﷺ من الأحكام فى الكتاب والسنة ممايتعلق بالعقائد والوجدانيات، و افعال المكلفين قطعياً كان أوْ ظَنِّيا(۲)

---

*پی ایچ ڈی سکالر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

**پروفیسر، ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان

بعض معاصر علماء اصول نے بھی فقہ اور شریعت کے باہمی تعلق کو واضح کرتے ہوئے فقہ کی حدود و قیود پر روشنی ڈالی ہے۔

ان الشريعة الاسلامية تشتمل على جميع الاحكام الشرعية المتعلقه بالعقيدة أوالاخلاق أوالعبادات أوالمعاملات أما الفقه فلا يعنى بالا حكام العملية اى احكام العبادات والمعاملات- (۳)

معلوم ہوا کہ شریعت میں تو عموم ہے لیکن فقہ کا دائرہ عبادات اور معاملات تک محدود ہے۔ فقہ کے دائرہ کار میں یہ تنگی پہلی مرتبہ عباسی دور سے شروع ہوئی۔ حالانکہ اس سے قبل فقہ، شریعت اور دین کے الفاظ قریب قریب مترادف تھے۔

## فقہ، اصول فقہ کا فرق اور مقام و مرتبہ:

صاحب لسان العرب نے فقہ کا معنی ''فہم'' ذکر کیا ہے۔

والفقه فى الأصل الفهم ------- يقال اوتى فلان فقها فى الدين اى فهما منه(۴)

یعنی اصل میں فقہ کا معنی مطلق فہم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دین میں فقہ عطا کی گئی یعنی اس کا فہم دیا گیا۔

قرآن مجید میں لاتعداد مقامات پر فقہ اپنے اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔(۵)

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ اور ڈاکٹر وھبہ الزحیلی کے مطابق فقہاء کے نزدیک فروعات کا حفظ کرنا فقہ کہلاتا ہے:(۶)

شریعت جو کل ہے اور فقہ جو شریعت اسلامیہ کا عملی لحاظ سے ایک جزء ہے ان دونوں کے درمیان ایک پل ہے جو دونوں کو ملانے کا کام دیتا ہے اس پل کو اصولیین اصول الفقہ کا نام دیتے ہیں،

صدر الشریعہ کی بیان کردہ تعریف سے ان دونوں کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

علامہ صدر الشریعہ نے شوافع ''اشاعرہ'' کی فقہ کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

العلم بالأحكام الشرعية العملية من أدلتها التفصيليه(۷)

''شریعت کے عملی احکام کا تفصیلی دلائل سے جاننا فقہ کہلاتا ہے۔''

اور اصول الفقہ سے مراد وہ قواعد وضوابط اور اصول ہیں جن سے کام لے کر ایک فقیہ مآخذ شریعت سے فقہی احکام معلوم کرتا ہے اور روزمرہ پیش آنے والے عملی مسائل کے لیے تفصیلی ہدایات مرتب کرتا ہے۔علامہ صدرالشریعہ نے تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

وعلم اصول الفقه: العلم بالقواعد اللتی یتوصل بها الیه (الی الفقه) علی وجه التحقیق(۸)

یعنی اصول فقہ ایسے قواعد کا علم ہے جن قواعد کے ساتھ فقہ تک توصل علی وجہ التحقیق ہو جائے۔صدرالشریعہ کی تعریف کی جامعیت اور علی وجہ التحقیق کے الفاظ اور جملہ حدود وقیود چونکہ اصول الفقہ کے ابحاث ہیں جن کا ذکر علم الفقہ کے عنوان کے بجائے اصول الفقہ ہے اس لیے یہاں ذکر نہیں کی جارہیں۔یہاں مقصود شریعت کے دائرہ میں علم الفقہ اور علم اصول الفقہ کا مقام اوران دونوں مہتم بالشان علوم کے درمیان فرق ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ فقہ اور اصول فقہ میں جہاں الفاظ کے ساتھ ساتھ معانی میں بھی فرق ہے وہاں اپنے موضوع کے اعتبار سے بھی فرق ہے کیونکہ فقہ کا موضوع ''فعل الانسان'' ہے اور اصول الفقہ کا موضوع ادلہ اجمالیہ ہیں اور حکم، اللہ کا خطاب ہے اور اصول فقہ ہیں نفس خطاب سے بحث ہوتی ہے جب کہ فقہ میں خطاب کے اثر کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔لیکن دونوں کی غرض وغایت حکم شرعی کو جاننا ہے۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ شریعت کا اطلاق ان احکامات پر کیا جاتا ہے جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے مشروع فرمائے خواہ قرآن کے ذریعے ہوں خواہ سنت نبویہ کے ذریعے، عام ازیں کہ خود ان کا تعلق اعتقادات سے ہو یا علم کلام سے یا عمل سے ہو اور فقہ کا اطلاق شریعت کہ صرف ایک حصے پر آتا ہے جس کا تعلق عمل سے ہے۔گویا شریعت اور فقہ کا تعلق کل اور جزءوالا ہے اور اصول الفقہ عملی جزئیات کے اخذ واکتساب میں ممد ومعاون اصول اور قواعد کا نام ہے۔

## فقہ کا لغوی معنی:

فقہ کا مادہ ف ق ھ باب سمع یسمع سے آتا ہے جس کا معنی اِدراک الشئ والعلم بہ۔یعنی کسی چیز کا ادراک اور علم کا حاصل کرنا اور باب کرم یکرم سے بھی بمعنی فقیہ ہونا آتا ہے۔

ابن منظور افریقی نے فَقِهَ فِقْهًا کا معنی: عَلِمَ عِلْمًا لکھا ہے۔(۹)

علمائے لغت نے جتنے معانی بھی ذکر کیے ہیں ان میں ''سمجھنا'' کا مفہوم مشترک ہے۔کسی میں گہری سمجھ، کسی میں مطلق سمجھ، کسی خاص باب کے تحت کسی کو سمجھانا وغیرہ کے معانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں بے شمار مقامات پر لفظ فقہ مختلف صیغوں کی تبدیلی کے ساتھ اس معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے:

لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ (۱۰)

''انہیں چاہیے کہ دین کی سمجھ پیدا کریں۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ﴾ (۱۱)

''وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے بہت سی باتیں جو تم کہتے ہو۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (۱۲)

''تو اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ﴾ (۱۳)

''اور کھول دے میری زبان کی گرہ تاکہ وہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔''

قرآن مجید کے علاوہ کتب حدیث میں متعدد مقامات پر (تقریباً ۱۰۴) اسی مفہوم کے ساتھ آیا ہے۔(۱۴)

جناب رسول اللہ نے حضرت ابن عباس کے لیے دعا فرمائی: اللھم فقہ فی الدین

''اے اللہ اس کو دین کا فہم عطا فرما۔''(۱۵)

اور حدیث مبارکہ میں ہے:

إذا أراد الله عزوجل بعبد خيراً يفقهه في الدين(۱۶)

ورب حامل فقه ليس بفقيهه (۱۷)

''اور کتنے ہی فقہ کے حامل ہیں جو اس کے جاننے والے نہیں ہیں۔''

## فقہ کا اصطلاحی معنٰی:

فقہ اپنے اصطلاحی معانی کے اعتبار سے، ارتقائی منازل میں اپنے معانی میں تنگی پیدا کرتا گیا۔ تمام تعریفات اپنے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ ساتھ معانی میں بھی قدرے مختلف ہیں لیکن ان تعریفات میں ایک اشتراک ضرور ہے کہ فقہ

سے مراد احکام شریعت یعنی عملی مسائل کا جاننا ہے اور فقیہ اس بندے کو کہتے ہیں جو شریعت کے عملی احکام میں سے کچھ کا یاد کرنے اور یاد رکھنے والا ہو اور اس حفظ کی مقدار علامہ علاؤالدین حصکفی نے کم از کم تین مسائل بیان کی ہے۔ حفظ الفروع وأقلہ ثلث (فروعات کا حفظ اور وہ کم از کم تین ہوں)(۱۸)

چاہے یہ احکام اسے دلائل کے ساتھ یاد ہوں یا بغیر دلائل کے وہ فقیہ ہی کہلائے گا اور اصولیین کے نزدیک فقیہ کا مجتہد ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا۔

فقہ کی سب سے وسیع اور اول تعریف امام اعظم ابو حنیفہؒ نے بیان فرمائی پھر اس کے بعد فقہ کے دائرے میں تنگی آتی گئی۔

امام صاحب نے فقہ کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

معرفة النفس مالها وما عليها (۱۹)

''فقہ سے مراد آدمی کا جاننا ہے وہ جو اس کے لیے مفید ہے اور وہ جو اس کے لیے مضر ہے۔''

امام صاحب کی تعریف میں وسعت یہ تھی کہ اس میں اعتقادیات یعنی علم الکلام اور وجدانیات (علم تصوف) اور جملہ دوسرے علوم بھی شامل تھے۔

علامہ صدر الشریعہ نے امام اعظم کی طرف سے کی گئی فقہ کی تعریف پر تبصرہ کیا ہے اور اس پر کچھ اضافہ بھی کیا ہے:

هذا التعريف منقول عن ابى حنيفه فالمعرفة ادراک الجزئيات عن دليل فخرج التقليد۔(۲۰)

کہ یہ تعریف امام ابو حنیفہ سے منقول ہے پس معرفت چونکہ جزئیات کو دلیل کے ساتھ جاننے کا نام ہے۔ لہٰذا معرفت کے لفظ سے تقلید خارج ہو جاتی ہے کیونکہ تقلید کے اندر اگرچہ ادراک الجزئیات تو ہوتا ہے۔ لیکن عن دلیل نہیں ہوتا کیونکہ دلائل اربعہ سے علم بالجزئیات حاصل کرنا مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا لہٰذا تقلیدی علم فقہ اصطلاحی سے خارج رہے گا۔

صدر الشریعہ چونکہ جامع اصول فقہ کے قائل ہیں اور طریقہ المتکلمین اور طریقہ الاحناف کے درمیان تقریباً چار پانچ صدیوں کی مناظرانہ کیفیت سے ہٹ کر ایک جامع فکر کے داعی ہیں اس لیے تقلید محض جس کی بنیاد پر قرآن وسنت کے دلائل نہ ہوں بلکہ محض تعصب اور عناد کی کیفیت ہو کو پسند نہیں کر رہے اور فقیہ کے لیے ایک کڑا معیار بھی قائم کر

رہے ہیں کہ فقہ کے لیے مجتھد ہونا اور اس میں ملکہ استنباط کا پایا جانا ضروری ہے حالانکہ دوسرے اصولیین کے نزدیک فقیہ کے لیے ملکہ استنباط کی شرط نہیں ہے۔

مذکورہ فقہ کی تعریف میں مصنف کے نزدیک کچھ احتمالات ہیں۔

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کا مالھا اور ما علیھا کو جاننا اگر اعتقادیات کے قبیل سے ہو تو وہ علم الکلام ہے اور اگر وہ وجدانیات کے قبیل سے ہو تو وہ علم اخلاق اور علم تصوف ہے جیسے زھد یعنی دنیا سے بے رغبت ہونا اور 'صبر' طاعات پر معاصی سے اپنے آپ کو روکنا اور رضا یعنی قضاء وقدر پر رضامند ہونا اور نماز میں خشوع اور خضوع وغیرہ اور اگر عملیات سے ہو تو وہ فقہ مصطلح ہے۔

پھر مالھا و ما علیھا سے بالترتیب ثواب اور عقاب مراد ہوں تو احکام شرعیہ کی تعداد چھ ہے یعنی واجب، مندوب، مباح، مکروہ تنزیہ، مکروہ تحریمی اور حرام۔ پھر ان سب کی دو طرفیں ہیں ایک طرف عمل کی ہے دوسری ترک کی ہے تو کل مالھا و ما علیھا میں بارہ احتمال سامنے آتے ہیں۔

صدر الشریعہ کی طرف سے امام صاحب کی تعریف پر ''عملًا'' کے لفظ کے ساتھ زیادتی فقہ کی تعریف کو اپنے اصطلاحی معنیٰ (عملی احکام) کے ساتھ خاص کرنے کے لیے ہے۔ ورنہ امام صاحب نے عمومی تعریف کی جس میں وسعت تھی اور جس میں تمام علوم شامل تھے۔(۲۱)

## تعریف فقہ کے مراحل:

مرورِ زمانہ فقہ کی تعریف میں جو تبدیلیاں آتی رہیں اور مختلف ادوار میں اس کی وسعت سے تنگی کی جانب رجحان کے سلسلہ کو تین تاریخی وارتقائی مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا مرحلہ: (فقہ اور شریعت کا ترادف)

یہ وہ ابتدائی زمانہ ہے جب فقہ شرع کا مترادف سمجھا جاتا تھا اور ہر اس شئ کی معرفت فقہ کی تعریف میں شامل تھی جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا، خواہ اس کا تعلق عقیدہ، اخلاق یا جوارح کے افعال سے تھا۔ امام ابو حنیفہ نے فقہ کی تعریف "معرفة النفس مالها و ما عليها" میں اسی وسعت کو مد نظر رکھا۔ ان کی علم العقائد پر کتاب ''الفقہ الاکبر'' کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے نزدیک فقہ تین اقسام پر مشتمل ہوگی۔ پہلی قسم ''الفقہ الاکبر''(۲۲) ہے۔ جو اعتقادات سے متعلق ہوگی کیونکہ اگر اعتقاد صحیح نہ ہوں تو بدنی اعمال رائیگاں چلے جاتے ہیں۔ دوسری قسم ''الفقہ الاوسط'' ہے جس کا

قلبی خلوص ونیت سے تعلق ہے کیونکہ جیسی نیت ہوگی ویسا ہی عمل کا ثمرہ ہوگا۔ تیسری قسم "الفقہ الاصغر" ہے جو ظاہری اعضاء کے اعمال مثلاً رکوع، سجود وغیرہ سے متعلق ہے کیونکہ جب تک ان کا علم اور ان کی درستگی نہیں ہوگی، اعمال صحیح نہیں ہوں گے۔(۲۳)

دوسرا مرحلہ: (احکام میں فرعیہ کی قید کی تخصیص)

یہ وہ زمانہ ہے جس میں فقہ کی تعریف میں پائی جانے والی وسعت میں کچھ تخصیص پیدا ہو گئی۔ علم العقائد کی علیحدہ فن کی حیثیت سے بنیاد پڑ گئی اور اسے علم العقائد، علم التوحید، علم الکلام اور علم اصول الدین کے ناموں سے موسوم کیا جانے لگا تو فقہ سے یہ علم خارج ہو گیا۔ اس دور میں فقہ کی تعریف اس طرح کی جانے لگی۔

العلم بالاحکام الفرعية الشرعية المستمدة من الادلة التفصيلية(۲۴)

اس تعریف میں ماسوی الاصلیہ، سب فرعیہ ہیں۔ یعنی جو عقائد کے علاوہ ہیں وہ سب فرعیہ ہیں کیونکہ عقیدہ شریعت کی اصل ہے اور ہر شئ کی درستگی کا انحصار اسی کی درستگی پر ہے۔ یہ تعریف احکام شرعیہ عملیہ یعنی وہ جو جوارح کے ذریعہ انجام دیے جاتے ہیں کو اور احکام شرعیہ قلبیہ مثلاً ریا، کبر، حسد، عجب کے حرام ہونے اور تواضع، دوسروں کی بھلائی کے حلال ہونے کو بھی شامل تھے۔

تیسرا مرحلہ: (فرعیہ کے ساتھ عملیہ کی قید کی تخصیص)

اس دور میں کی گئی تعریفات میں مزید تخصیص پیدا کر دی گئی اور آج تک اسی تخصیص پر عمل جاری وساری ہے۔ اس مرحلے میں احکام شرعیہ فرعیہ جن کا تعلق دل سے تھا وہ الگ ہو گئے ان کے نام علم تصوف یا علم اخلاق پڑ گیا۔(۲۵)

امام شافعیؒ نے فقہ کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے ان کو معاصر فقہاء میں سے ڈاکٹر وھبہ زحیلی(۲۶) اور استاذ عبدالکریم زیدان(۲۷) نے مقبول اور پسندیدہ قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے فقہ کو ان عملی احکام کے جاننے کا نام دیا ہے جو تفصیلی دلائل سے حاصل ہوں:

العلم بالاحكام الشرعية العملية المكتسب من أدلتها التفصيلية (۲۸)

## صدر الشریعہ کا متقدمین اصولیین کی فقہ کی تعریفات پر نقد:

تین متقدمین (امام اعظم ابو حنیفہ، ابن الحاجب، امام رازی رحمہم اللہ) کی فقہ کی تعریفات پر مصنف نے نقد و تبصرہ کیا ہے اور پھر اپنی طرف سے فقہ کی جامع ومانع تعریف ذکر کی ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

## (۱)صدر الشریعہ کا امام اعظم ابو حنیفہ پر نقد و تبصرہ:

صدر الشریعہ نے سب سے پہلے امام اعظم ابو حنیفہ کی تعریف کو ذکر کیا ہے اور کہا ہے:

والفقه معرفة النفس مالها و ماعليها ويزا د عملًا لتخرج الاعتقاديات والوجد انيات فيخرج الكلام والتصوف و من لم يزدأ رادالشمول- (۲۹)

یعنی نفس کا ان چیزوں کی معرفت حاصل کرنا جو اس کے لیے نفع دینے والی ہیں اور نقصان دینے والی ہیں، مصنف نے مضارع مجہول کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض نے امام صاحب کی اس تعریف پر عملاً کا اضافہ کیا ہے۔ لیکن یہ اضافہ کس نے کیا ہے اس بارے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ لیکن قید کو پسند کیا ہے اور اس کے فوائد بھی بیان کیے ہیں کہ جن حضرات نے یہ قید لگائی ہے ان کا مقصود اس لفظ کے ساتھ اعتقادیات اور وجدانیات کو فقہ سے خارج کرنا ہے۔ لہٰذا ان کے نزدیک علم الکلام جو اعتقادیات سے متعلق ہوتا ہے اور علم تصوف جو وجدانیات سے متعلق ہوتا ہے۔ دونوں فقہ سے خارج ہو جائیں گے اور جو حضرات اس قید کا اضافہ نہیں کرتے ان کا مقصد ان دونوں کو فقہ میں داخل کرنا ہے تو ان کے نزدیک فقہ علوم ثلاثہ (علم کلام، علم تصوف، علم فقہ) کے مجموعے کا نام ہے۔

اس تعریف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ المعرفۃ کا معنی ہے جزئیات کو دلیل سے جالینا۔ لہٰذا اس لفظ کی قید سے تقلید خارج ہو جائے گی کیونکہ تقلید میں اگرچہ ادراک جزئیات ہوتا ہے لیکن دلیل سے نہیں ہوتا۔ کیونکہ دلیل سے مراد ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل ہے اور مقلد کے پاس ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ اس کی دلیل قول مجتہد ہوتا ہے لہٰذا اس کا جزئیات کا علم دلیل سے نہ ہوا تو علم تقلیدی فقہ کی اصطلاحی تعریف سے خارج ہو جائے گا۔

اس مقام پر مصنف پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ دلیل کا لفظ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو ذکر نہیں کیا بلکہ صرف معرفۃ کے لفظ کو ذکر کیا ہے تو مصنف اس لفظ دلیل کو کہاں سے لے آئے۔ علامہ تفتازانی نے اس کے دو جوابات دیے ہیں۔

(۱) فقہ علوم استدلالیہ میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ فقیہ مجتہد کو کہا جاتا ہے مقلد کو فقیہ نہیں کہا جاتا تو اصطلاح میں بھی فقہ معرفۃ الاحکام عن دلیل کا نام ہے۔

(۲) یہ قید لغۃً ثابت ہے کیونکہ امام راغب اصفہانی نے معرفۃ کی تعریف یوں کی ہے:

المعرفۃ والعرفان ادراک شیٍٔ بتفکر وتدبر۔ یعنی تفکر وتدبر سے استدلال اور ادراک دلیل کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ قید ثابت نہیں ہے درست نہیں ہے۔ (۳۰)

صدر الشریعہ کے نزدیک اگر مالھا و ما علیھا سے فقط فقہ اصطلاحی کی تعریف کرنا مقصود ہو تو اس میں عملاً کی قید کا اضافہ کرنا ضروری ہوگا تاکہ اعتقادیات اور وجدانیات خارج ہو جائیں اور اگر مطلق فقہ کی تعریف کرنا مقصود ہو جو ان تینوں (اعتقادیات، وجدانیات، عملیات) کو شامل ہو تو پھر عملاً کی قید نہ لگائی جائے گی چنانچہ امام ابو حنیفہ نے عملاً کی قید کا اضافہ نہیں کیا کیوں کہ انھوں نے ان تینوں کو داخل کیا یہی وجہ ہے کہ امام صاحب علم الکلام کا نام 'الفقہ الاکبر' رکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ علم الکلام ان کے نزدیک فقہ میں داخل ہے۔ صدر الشریعہ نے جس جامعیت کا دعویٰ اپنی کتاب کی ابتداء میں کیا تھا اس کو سچ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ امام صاحب سے اختلاف بھی کر لیا اور ان کی تعریف پر زیادتی کر لی اپنا فلسفہ بھی بیاں کر لیا اور ان کی عملاً کی قید نہ لگانے کی توجیہہ بیان کر کے اختلاف سے بھی دامن بچاتے نظر آتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

فان اردت بالفقه هذا المصطلح زدت "عملًا" على قوله "مالها و ما عليها" و إن اردت ما يشمل الأقسام الثلاثة لم تزد، وابو حنيفة رحمه الله إنما لم يزد عملًا لانه أراد الشمول أى أطلق الفقه على العلم بما لها و عليها ، سواء كان من الاعتقاديات أوالوجدانيات أوالعمليات ثم سمى الكلام فقهاً أكبر (۳۱)

(۲) صدر الشریعہ کا شوافع کی فقہ کی تعریف پر نقد و تبصرہ:

وقيل العلم بالاحكام الشرعية العملية من ادلتها التفصيلية(۳۲) صدر الشریعہ فقہ کی دوسری تعریف بیان کر رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہ ان احکام کے جاننے کا نام ہے جو شرعیہ ہوں عملیہ ہوں اور یہ جاننا ادلہ تفصیلیہ سے ہو پھر مصنف فوائد قیود بیان کر رہے ہیں العلم درجہ جنس ہے تمام علوم کو شامل ہے اور باقی فصل ہیں پہلا فصل الاحکام ہے احکام حکم کی جمع ہے حکم کے دو معنی ہیں (۱) معنی عرفی، وہ ہے اسناد امر الی امر آخر (۲) حکم اصطلاحی! وہ ہے خطاب اللہ تعالیٰ المتعلق بافعال المکلفین الخ اگر اول معنی مراد ہو تو حکم کی قید سے ذات وصفات کا علم خارج ہو جائے گا یعنی تصورات (تصور موضوع تصور محمول) کا علم خارج ہو جائے گا کیونکہ تصورات میں اسناد امر الی امر آخر نہیں ہوتا صرف تصدیقات باقی رہیں گی اور الشرعیۃ کی قید سے احکام عقلیہ اور احکام حسیہ کا علم خارج ہو جائے گا احکام عقلیہ کی مثال العالم حادث اور احکام حسیہ کی مثال النار محرقۃ، اگر حکم سے مراد خطاب اللہ ہو تو الاحکام کی قید سے ان احکام سے احتراز ہوگا جو خطاب اللہ کے علاوہ ہیں۔ فالحکم بھذا التفسیر اس صورت میں الشرعیۃ کی قید کو معتبر بنانے کے لیے حکم کی دو قسمیں بنانی ہوں گی (۱) حکم شرعی (۲) حکم غیر شرعی۔ حکم شرعی، کی تعریف خطاب اللہ بمایتوقف علی الشرع یعنی اللہ تعالیٰ کا خطاب اس چیز کے ساتھ جس چیز کا ثبوت موقوف علی الشرع ہو یا بعنوان دیگر حکم شرعی وہ ہے جس پر خطاب اللہ

بھی ہو اور وہ شریعت پر بھی موقوف ہو مثلاً وجوب صلوۃ وجوب زکوۃ وغیرہ(۲) حکم غیر شرعی کی تعریف یہ کی مالا یتوقف علی الشرع یعنی خطاب اللہ اس چیز کے ساتھ جو شریعت پر موقوف نہ ہو یا بعنوان دیگر حکم غیر شرعی وہ ہے جو خطاب اللہ تو ہو لیکن شریعت پر موقوف نہ ہو مثلاً وجوب ایمان وجوب تصدیق النبی ﷺ وغیرہ یہ سب احکام خطاب اللہ ہیں لیکن شرعیہ نہیں کیونکہ شریعت پر موقوف نہیں بلکہ خود شریعت جو فرمان خدا فرمان مصطفیٰ کا نام ہے ان پر موقوف ہے اگر یہ دوبارہ شریعت پر موقوف ہو جائیں تو دور لازم آئے گا جب احکام کی دو قسمیں ہو گئیں تو الشرعیہ کی قید لگا کر غیر شرعی (وجوب ایمان و تصدیق النبی) کو خارج کر دیا کیونکہ ان کے علم کو فقہ نہیں کہا جاتا۔ ثم الشرعی اما نظری پھر حکم شرعی بمعنی مایتوقف علی الشرع کی دو قسمیں ہیں (۱) عملی یعنی وہ حکم جو عمل سے متعلق ہو اور اس پر عمل کرنا مقصود ہو (۲) حکم شرعی نظری جو عقیدہ سے متعلق ہو اس پر عقیدہ رکھنا مقصود ہو جیسے الاجماع حجۃ یہ حکم نظری ہے اس کا علم فقہ نہیں کہلائے گا تو العملیۃ کی قید لگا کر احکام شرعی نظری کو خارج کر دیا۔ اور من ادلتھا التفصیلیۃ سے مقلد کا علم خارج ہو جائے گا کیونکہ اس کا علم ادلہ مخصوصہ اربعہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کی دلیل صرف قول مجتہد اور قول مفتی ہوتا ہے اور التفصیلیہ کی قید بھی قید احترازی ہے اس سے وہ علم خارج ہو جائے گا جو ادلہ اجمالیہ سے حاصل ہو۔ ادلہ اجمالیہ سے مراد مقتضی اور نافی ہیں۔ اس جیسے حکم کو فقہ نہیں کہا جائے گا۔

## (۳) صدر الشریعہ کا ابن حاجب کی تعریف پر نقد و تبصرہ

اور ابن حاجب کا رد صدر الشریعہ نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے و قد زاد ابن الحاجب علی ھذا قولہ۔۔۔

"الاستدلال" ولاشک انہ مکرر (۳۳)

علامہ ابن حاجب نے اس تعریف پر بالاستدلال کی قید کا اضافہ کیا ہے صدر الشریعہ اس پر نقد کر رہے ہیں کہ یہ قید مکرر ہے کیونکہ پہلے من ادلتھا ذکر کر دیا ہے تو جو علم ادلہ سے حاصل ہو گا وہ استدلال کے ساتھ ہی حاصل ہو گا لہٰذا اس کے بعد دوبارہ بالاستدلال کا ذکر تکرار محض ہے یعنی بالاستدلال کی قید سے ابن الحاجب کا مقصود علم مقلد کو خارج کرنا ہے اور وہ پہلے ہی من ادلتھا التفصیلیہ سے خارج ہو چکا ہے۔

## (۴) امام رازی کی فقہ کی تعریف پر صدر الشریعہ کا نقد و تبصرہ

ابن الحاجب کی تعریف میں بالاستدلال کی قید کو زیادتی اور تکرار کہنے کے بعد صدر الشریعہ امام رازی کے الفاظ کو بھی زیادتی اور تکرار کہہ رہے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

ولایزاد التی لایعلم کونھا من الدین ضرورۃ (۳۴)

یعنی فقہ ان احکام شرعیہ کے جاننے کا نام ہے جن کا دین سے ہونا بدیہی نہ ہو اگر ان کا دین سے ہونا بدیہی ہو تو ایسے احکام شرعیہ کے علم کو فقہ نہیں کہا جائے گا۔

اس عبارت سے صدر الشریعہ امام رازی پر اعتراض کر رہے ہیں۔ کہ امام رازی نے المحصول میں اس قید کا اضافہ کیا اور اضافہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسائل شرعیہ جن کا دین سے ہونا بدیہی ہے وہ فقہ اصطلاحی میں داخل ہیں ان کو خارج کرنے کے لیے اس قید کا اضافہ کیا گیا۔ اگر اس قید کا اضافہ نہ کیا جاتا تو یہ مسائل بدیہہ فقہ میں داخل ہو جاتے اور ان کے فقہ میں داخل ہونے سے بہت بڑی خرابی لازم آتی وہ یہ کہ ان کے جاننے والے کو فقیہ کہنا پڑتا پھر تو ہر شخص ہی فقیہ کہلانے کا حقدار بن جائے گا کیونکہ ضروریات دین مثلاً وجوب صلوٰۃ او وجوب صوم وغیرہ کا علم تو تقریباً ہر مسلمان کو ہے تو ایسے شخص کو فقیہ ہونے سے خارج کرنے کے لیے امام رازی نے ایسی قید لگا دی کہ یہ مسائل ضروریہ ہی فقہ سے خارج ہو جائیں۔

مصنف امام رازی کی تردید کر رہے ہیں کہ نہ ہی اس قید کے اضافے کی ضرورت ہے اور نہ ہی ان مسائل کو جن کا دین سے ہونا بداہۃً معلوم ہے فقہ سے خارج کرنے کی ضرورت ہے بلکہ یہ مسائل فقہ میں سے ہیں اور فقہ ہی میں داخل ہوں گے باقی امام رازی کا یہ خوف کہ اگر ان کو فقہ میں داخل کیا گیا تو ان کے عالم کو فقیہ کہنا پڑے گا تو مصنف فرماتے ہیں یہ ان کا خوف بلا وجہ ہے کیونکہ فقہ کی تعریف میں بالاحکام کا لفظ ہے اس سے بعض اور قلیل احکام مراد نہیں ہیں جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آرہی ہے تو چند مسائل ضروریہ کے وجوب کے علم سے انسان کو فقیہ نہیں کہا جا سکتا بلکہ اگر ایک شخص ایک سو مسائل غریبہ مشکلہ کا علم ادلہ سے حاصل کرے تو ایسے شخص کو فقیہ نہیں کہا جا سکتا تو ایسا شخص جو چند مسائل بدیہہ کا علم حاصل کرلے اس کو کیسے فقیہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے اس عذر فاسد کی وجہ سے ان مسائل کو فقہ سے خارج کر دینے کا کوئی جواز نہیں لہٰذا یہ قید ضائع اور بے کار ہے۔ (۳۵)

## (۵) صدر الشریعہ کے نزدیک فقہ کی جامع تعریف:

صدر الشریعہ فقہ کی جملہ تعریفات پہ اپنے تحفظات کو ذکر کرنے کے بعد خود فقہ کی تعریف درجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

بَلْ هو العلم بكل الأحكام الشرعية العملية التى قد ظهر نزول الوحى بها والتى انعقد الاجماع عليها من أدلتها مع ملكة الاستنباط الصحيح منها (۳٦)

ان الفاظ سے صدر الشریعہ فقہ کی ایسی تعریف کرنا چاہتے ہیں جو فقہ کی تمام معلومات کو جامع ہو اور دخول غیر سے مانع ہو۔

یعنی فقہ ان تمام احکام شرعیہ عملیہ کا علم ہے جن کے ساتھ وحی کا نزول ظاہر ہوا ہو اور ان کے اوپر اجماع منعقد ہوا ہو اور ان احکام کا علم ان کے ادلہ سے حاصل ہو اور ان ادلہ سے استنباط صحیح کے ملکہ کے ساتھ ہو۔

صدر الشریعہ کی مذکورہ تعریف میں ہمیں امور اربعہ کی قید نظر آتی ہے۔

اول: لفظ کل کا ہونا۔ مصنف کی کل کے لفظ کی قید لگا کر یہ کہنا کہ فقہ کل احکام شرعیہ عملیہ کے جاننے کا نام ہے۔ اس سے بعض احکام کا جاننا خارج ہو جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جن فقہا کے نزدیک احکام جمع ہے اور جمع کا صیغہ کم سے کم تین پر صادق آتا ہے اور کم از کم تین مسائل کا جاننا فقیہ کہلانے کے لیے کافی ہے۔ مصنف اس مؤقف کو تسلیم نہیں کر رہے بلکہ کل احکام کا جاننے والا ہی مصنف کے نزدیک فقیہ کہلانے کا استحقاق رکھتا ہے اور ان کل اور جمیع سے وہ احکام مخصوصہ مراد ہیں کہ جس زمانہ میں وہ فقیہ موجود ہے اس دور میں وہ کل اور جمیع ہوں اور جو بعد میں نازل ہوئے ہیں ان کا جاننا فی الحال فقیہ کے لیے ضروری نہیں ہے۔

دوم: قد ظهر نزول الوحي بها-(جن کے ساتھ نزول وحی ظاہر ہو چکا ہے)

صدر الشریعہ کی اس قید سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اگر کسی حکم کے بارے میں نزول وحی ہو چکا ہے لیکن ابھی تک وہ حکم ظاہر نہیں ہوا اس لحاظ سے کہ مجتہد تک ابھی نہیں پہنچا تو فقیہ کے لیے اس کا علم ضروری نہیں ہے بلکہ اگر فقیہ نے اس میں اجتہاد کر لیا تو یہ اجتہاد صحیح ہوگا، اس کے بعد جب اس حکم کی وحی مجتہد تک پہنچی تو اب اگر اس کا اجتہاد وحی کے مواقف ہے تو درست ہے اور اگر مخالف ہے تو اس کو اپنے قیاس اور اجتہاد سے رجوع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام اپنے دور میں فقیہ تھے حالانکہ احکام ابھی نازل ہو رہے تھے اور بعض احکام بعد میں نازل ہوئے۔ اس بات کی طرف مصنف نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے:

فالصحابة رضى الله عنهم كا نوافقهاء في وقت نزول بعض الأ حكام بعده (۳۷)

سوم: التي انعقد الاجماع عليها من ادلتها۔ (ان تمام احکام شرعیہ عملیہ کے جاننے کا نام فقہ ہے جن پر اجماع منعقد ہو چکا ہو)

صدر الشریعہ کے نزدیک فقیہ کے لیے مسائل اجماعیہ کا علم بھی شرط ہے لیکن مصنف وضاحت فرما رہے ہیں کہ یہ شرط جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے کے بعد ہے ان کے زمانہ میں یہ شرط نہیں تھی کیونکہ اس وقت دوسری شرط پائی جا رہی تھی یعنی اس وقت نزول وحی ہو رہا تھا اجماع کا وجود نہیں تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وعلم المسائل الإجماعية يشترط إلافى زمن رسول الله لعدم الإجماع فى زمنه (۳۸)

چہارم: مع ملکۃ الاستنباط الصحیح منھا۔ (احکام شرعیہ عملیہ کو ادلہ سے استنباط کرنے کا صحیح ملکہ بھی موجود ہو)

اس قید سے مصنف بتارہے ہیں کہ فقیہ کے یے مسائل منصوص اور مسائل اجماعیہ کا علم تو ضروری ہے لیکن ان احکام کو کسی فقیہ کی پیروی میں نہیں بلکہ خود استنباط صحیح کا ملکہ ہونا ضروری ہے کیونکہ بعض صحابہ کرام ایسے تھے جو عربی دان ہونے کی وجہ سے احکام منصوصہ کا علم رکھتے تھے مگر ان میں ملکہ استنباط نہیں تھا ان کو فقیہ نہیں کہا جاتا تھا فقیہ صرف ان صحابہ کرام کو کہا جاتا تھا جو ملکہ استنباط رکھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض احکام منصوصہ کے علم کو فقہ اور ان کے عالم کو فقیہ نہیں کہا جاتا جب تک کہ ملکہ استنباط نہ ہو اس لیے مع ملکۃ الاستنباط کی قید لگائی ہے۔

مصنف کے مطابق اگر ایک آدمی محض نص سن کر لغت سے واقف ہونے کی بناء پر احکام تو جان لے لیکن وہ احکام کو ادلہ سے استنباط کرنے کا ملکہ نہ رکھتا ہو تو اس کو فقیہ نہیں کہیں گے۔

اس مقام پر ایک فقیہ کے لیے اتنی کڑی شرط یقیناً صدر الشریعہ کے زمانے کے حالات کے مطابق تو نظیر نہیں آتی لیکن ایک پختہ علمی و فقہی بنیاد کی طرف یقیناً ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ان چار شرائط کے ساتھ صدر الشریعہ نے فقہ کی تعریف کو جامع بنایا لیکن مانع عن دخول الغیر کے لیے ایک اور قید کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لا المسائل القياسية للدور بل يشترط ملكة الاستنباط (۳۹)

یعنی فقہ میں مسائل قیاسیہ کا علم شرط نہیں ہے بلکہ استنباط مسائل کا ملکہ ضروری ہے۔

اس جملے کی مصنف نے یہ توجیہ بیان کی ہے کہ اس سے دور لازم آتا ہے اس دور کی تفصیل یہ ہے کہ یہ مسائل قیاسیہ فروع ہوتے ہیں جن کا استنباط اجتہاد کے ساتھ ہوتا ہے لہٰذا ان کا علم شخص کے فقیہ ہونے پر موقوف ہے پھر اگر مجتہد اور فقیہ کے لیے ان کا علم شرط قرار دے دیا جائے تو فقیہ کی فقاہت ان پر موقوف ہو جائے گی تو دور لازم آئے گا۔ علامہ سعد الدین تفتازانی مصنف پر ایک اعتراض کرتے اور خود اس کا تسلی بخش جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ دور ان مجتہدین کے لیے تو لازم آتا ہے جو خود مجتہد تھے یعنی دور اول کے مجتہدین اور قائسین تھے۔ لیکن اس کے بعد دوسرے دور کے جو مجتہدین اور قائسین آئیں گے ان کے لیے بھی کیا یہی حکم ہو گا کہ اگر وہ دورِ اول کے مجتہدین اور قائسین کے

اجتهاد وقیاس کی پیروی کریں تو دور ہو گا یا نہیں۔ کیونکہ اگر اس کو بھی دور کہا جائے تو بہت سے مسائل قیاسیہ فقہ کی تعریف سے خارج ہو جائیں گے۔

علامہ تفتازانی دونوں موقفوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صدر الشریعہ کے نزدیک یہ لازم ہے کہ بعد کے آنے والے مجتہدین ان مسائل قیاسیہ میں دوبارہ خود اجتهاد کریں اور اپنے اجتهاد کے مطابق عمل کریں کیوں کہ صدر الشریعہ کے نزدیک مجتہد سابق کے مسائل قیاسیہ کی تقلید مجتہد لاحق کے لیے جائز نہیں ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ مجتہدین سابقین کے اقوال جو مسائل قیاسیہ کے بارے میں ہیں ان کی معرفت حاصل کرے تاکہ اجماع مرکب کی مخالفت میں واقع نہ ہو۔(۴۰)

## خلاصہ بحث:

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ صدر الشریعہ کی تعریف کے مطابق، احکام منصوصہ، مسائل اجماعیہ اور ملکہ استنباط کا حامل ہی فقیہ اور مجتہد ہو سکتا ہے۔ ان تینوں قیود کی مزید تشریح و توضیح احکام منصوصہ (قرآن و سنت) سے استنباط کی بحث ہیں اور مسائل اجماعیہ (اجماع و قیاس) کی بحث ہیں اور ملکہ استنباط (اجتهاد اور تدوین جدید) کی بحث میں ملتی ہے۔

# حواشی وحوالہ جات

۱ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، م۔۷۱۱ھ، ۸/۱۷۸،۱۷۵،۵۵، بیروت، دار صادر ۱۳۱۴ھ

۲ معجم لغۃ الفقہاء، ص ۲۶۰ (عربی، انگریزی) ادارہ القرآن والعلوم السلامیہ، کراچی، س۔ن
موسوعۃ الفقہ الاسلامی ۱/۱۳، المجلس الاعلیٰ للشئون الاسلامیۃ، القاہرہ، ۱۹۹۰ء

۳ المدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ، (زیدان)، ص ۶۵

۴ لسان العرب، ابن منظور افریقی، متوفی ۷۱۱ھ، ۱/۸۹، بیروت، دار صادر ۱۳۱۴ھ

۵ سورۃ التوبہ: ۹/۱۲۲۔ سورہ النساء: ۴/۷۸۔ سورہ ھود: ۱۱/۹۱۔ سورہ طٰہٰ: ۲۷-۲۰/۲۸

۶ ''عند الفقہاء: حفظ الفروع'' تجدید الفقہ الاسلامی، ص ۳۳۷، دار الفکر، دمشق، ۱۴۲۰ھ

۷ التنقیح فی اصول الفقہ، ۱/۱۸

۸ التنقیح فی اصول الفقہ ۱/۳۴

۹ لسان العرب، ۱۳/۵۲۲

۱۰ التوبہ: ۹/۱۲۲

۱۱ ھود: ۱۱/۹۱

۱۲ النساء: ۴/۷۸

۱۳ طٰہٰ: ۲۰/۲۷،۲۸

۱۴ المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث النبوی۔ای ونسک پر فنج ۱۸۹-۵/۱۹۲، مطبع بریل لندن ۱۹۶۹ء

۱۵ صحیح بخاری، کتاب الوضوء باب وضع الماء عند الخلاء، رقم ۱۴۳
صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل عبداللہ بن عباس، رقم: ۶۵۲۳

۱۶ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین، رقم ۷۱، محمد بن اسماعیل، بخاری، دار ابن کثیر، الیمامہ، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۱۷ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر العلم، رقم ۳۶۶۰، سلیمان بن اشعث، ابوداؤد، سجستانی، دار الفکر، س ن، بیروت، ۱۴۰۷ھ

۱۸ حصکفی، علاؤالدین، الدر المختار فی شرح تنویر الابصار، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، س۔ن ص ۱/۵

۱۹ التنقیح فی اصول الفقہ، ص ۱/۱۶

۲۰ ایضاً ص: ۱/۱۶

۲۱ التنقیح فی اصول الفقہ، ص ۱/۱۷،۱۸

۲۲ التوضیح علی التنقیح ص: ۱/۱۷

۲۳ ابوزھرہ، محمد، امام ابو حنیفہ، عہد و حیات، فقہ و آراء، مترجم سید رئیس احمد جعفری، ص ۲۹۱، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار لاہور، س۔ن

۲۴ آمدی، سیف الدین، شافعی، الاحکام فی اصول الاحکام، ۷/۱، مصر، مطبعۃ المعارف ۱۹۱۴ء

۲۵ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: فاروق حسن، ڈاکٹر، فن اصول فقہ کی تاریخ عہد رسالت سے عصر حاضر تک، ص ۴۳، ۴۲، دارالاشاعت، کراچی، اکتوبر ۲۰۰۶ء

۲۶ ڈاکٹر وھبہ زحیلی دمشق کے مقام دیر عطیہ میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ جامع الازھر سے تعلیم حاصل کی ۱۹۶۳ء میں جامع دمشق میں فقہ اور اصول الفقہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا ان کی چالیس سے زیادہ کتابیں ہیں جن میں اصول الفقہ الاسلامی، الوسیط فی اصول الفقہ الاسلامی، نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ، الفقہ الاسلامی فی اسلوبہ الجدید، نظریۃ الضمان۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: الفقہ الاسلامی وأدلتہ۔ (زحیلی، آغاز کتاب)

۲۷ عبدالکریم زیدان ۱۹۱۷ء میں بغداد میں پیدا ہوئے، بغداد سے ہی قانون کی تعلیم حاصل کی پھر ایم اے کی ڈگری جامعہ قاھرہ سے حاصل کی، جامع بغداد میں کلیہ الحقوق میں شعبہ قانون کے سربراہ بھی رہے، المجمع الفقہی الاسلامی کے ممبر بھی رہے۔ موصوف کی مشہور و متداول کتب میں الوجیز فی اصول الفقہ، بحوث فقہیہ معاصرہ قابل ذکر ہیں۔ مزید تفصیلی کے لیے دیکھیے: www.ikhwan.net/wiki/indes.pnp.google

۲۸ وھبہ زحیلی، ڈاکٹر، اصول الفقہ الاسلامی، ۱:۹۱، کتب خانہ رشیدیہ پشاور، س۔ن

۲۹ التنقیح فی اصول الفقہ ص ۱/۱۶

۳۰ التلویح علی التوضیح، ص ۲۰

۳۱ التوضیح علی التنقیح، ص ۱/۱۷

۳۲ التنقیح فی اصول الفقہ، ۱/۱۸

۳۳ التوضیح علی التنقیح ۱/۱۹

۳۴ التنقیح فی اصول الفقہ ۱/۲۶

۳۵ التنقیح فی اصول الفقہ ۲۷-۱/۲۹

۳۶ التوضیح علی التنقیح ۱/۲۸

۳۷ التوضیح شرح التنقیح، ۱/۳۱

۳۸ التوضیح شرح التنقیح، ص ۳۱

۳۹ التوضیح شرح التنقیح، ۳۲

۴۰ انہ یلزم أن یکون العلم بالأحکام القیاسیہ خارجًا عن الفقہ و ذلک عند ھم معظم مسائل الفقہ اللھم إلا أن یقال إنہ فقہ بالنسبۃ إلی من أدی الیہ اجتھادہ اذ قد ظھر علیہ نزول الوحی بہ وحینئذ یکون الفقہ بالنسبۃ إلی کل مجتھد شیأ آخر۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں (شرح التلویح علی التوضیح، ۳۲-۱/۳۲)